© rasailojaraid.com

دعوتِ حق کے لیے ہدایات

جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئیں

(۱)

خفیہ تبلیغ کے ابتدائی ۳ برسوں کا حال ہم بیان کر چکے ہیں۔ اب دعوتِ عام کے ۱۰ سالہ مکی دور کی تاریخ بیان کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا ہی میں دو چیزیں اچھی طرح واضح کر دی جائیں جن سے بعد کے پیش آنے والے واقعات بہتر طور پر سمجھے جا سکتے ہیں۔

ایک یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کارِ رسالت انجام دینے کے لیے کیا ہدایات دی گئی تھیں جو اتنی کارگر تھیں کہ اُنہوں نے دلوں اور روحوں کو مسخر کر کے چھوڑا، دماغوں کی ٹیڑھ نکال کر چھوڑی، اور ایک اُجڈ قوم کو بدل کر رکھ دیا۔

دوسرے یہ کہ اسلامی دعوت کی حقیقی نوعیت کیا تھی جس کی وجہ سے آپؐ کے خلاف عداوت کا وہ طوفان اُٹھا جو عرب میں محض شرک سے انکار اور توحید کا اقرار کرنے والوں کے خلاف کبھی نہ اُٹھا تھا، مگر یہ دعوت کیسی زبردست قوت کے ساتھ پیش کی گئی تھی کہ اس نے جاہلیت کے علمبرداروں کو آخر کار بے بس کر دیا۔

اِس باب میں ہم صرف پہلے موضوع سے بحث کریں گے اور دوسرے موضوع پر بعد کے باب اور اس کی فصلوں میں کلام کیا جائے گا۔

ابتدائے دعوت کے متعلق اجمالی بیان اللہ تعالیٰ نے عرب کے مشہور مرکزی شہر مکہ میں اپنے ایک بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو پیغمبری کی خدمت کے لیے منتخب کیا اور حکم دیا کہ اپنے شہر اور اپنے قبیلے (قریش) سے دعوت کی ابتدا کریں۔ یہ کام شروع کرنے کے لیے آغاز میں جن ہدایات کی ضرورت تھی صرف وہی دی گئیں اور وہ زیادہ تر تین مضمونوں پر مشتمل تھیں۔

ایک، پیغمبر کو اس امر کی تعلیم کہ وہ خود اپنے آپ کو اس عظیم الشان کام کے لیے کس طرح تیار کریں اور کس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طرز پر کام کریں۔

دوسرے، حقیقتِ نفس الامری کے متعلق ابتدائی معلومات اور حقیقت کے بارے میں اُن غلط فہمیوں کی مجمل تردید جو گرد و پیش کے لوگوں میں پائی جاتی تھیں، جن کی وجہ سے اُن کا رویہ غلط ہو رہا تھا۔

تیسرے، صحیح رویہ کی طرف دعوت اور ہدایتِ الٰہی کے اُن بنیادی اصولِ اخلاق کا بیان جن کی پیروی میں انسان کے لیے فلاح و سعادت ہے۔

شروع شروع کے یہ پیغامات ابتدائے دعوت کی مناسبت سے چند چھوٹے چھوٹے مختصر بولوں پر مشتمل ہوتے تھے، جن کی زبان نہایت شُستہ، نہایت شیریں اور نہایت پُر اثر اور مخاطب قوم کے مذاق کے مطابق بہترین ادبی رنگ لیے ہوئے ہوتی تھی، تاکہ دلوں میں یہ بول تیر و نشتر کی طرح پیوست ہو جائیں، کان خود بخود اُن کے ترنم کی وجہ سے ان کی طرف متوجہ ہوں اور زبانیں ان کے حسنِ تناسب کی وجہ سے بے اختیار ہو کر انہیں دُہرانے لگیں۔ پھر ان میں مقامی رنگ بہت زیادہ تھا۔ اگرچہ بیان تو کی جا رہی تھیں عالمگیر صداقتیں، مگر ان کے لیے دلائل و شواہد اور مثالیں اُس قریب ترین ماحول سے لی گئی تھیں جس سے مخاطب لوگ اچھی طرح مانوس تھے۔ اُنہی کی تاریخ، اُنہی کی روایات، اُنہی کے روزمرہ مشاہدے میں آنے والے آثار اور اُنہی کی اعتقادی و اخلاقی اور اجتماعی خرابیوں پر ساری گفتگو تھی تاکہ وہ اس سے اثر لے سکیں۔

دعوت کا یہ ابتدائی مرحلہ تقریباً چار پانچ سال تک جاری رہا (جن میں پہلے تین سال خفیہ دعوت کے تھے) اور اس مرحلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا ردِ عمل تین صورتوں میں ظاہر ہوا:

۱۔ چند صالح آدمی اِس دعوت کو قبول کر کے اُمتِ مسلمہ بننے کے لیے تیار ہو گئے۔

۲۔ ایک کثیر تعداد جہالت یا خود غرضی یا آبائی طریقے کی محبت کے سبب سے مخالفت پر آمادہ ہو گئی۔

۳۔ مکہ اور قریش کی حدود سے نکل کر اس نئی دعوت کی آواز نسبتاً زیادہ وسیع حلقے میں پہنچنے لگی۔

یہاں سے اس دعوت کا دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔ اس مرحلے میں اسلام کی اس تحریک اور پُرانی جاہلیت کے درمیان ایک سخت جان گُسل کشمکش برپا ہوئی جس کا سلسلہ آٹھ نو سال تک چلتا رہا۔ نہ صرف مکے میں، نہ صرف قبیلۂ قریش میں، بلکہ عرب کے بیشتر حصوں میں بھی جو لوگ پُرانی جاہلیت کو برقرار رکھنا چاہتے تھے وہ اس تحریک کو بزورِ مٹا دینے پر تُل گئے۔ انہوں نے اسے دبانے کے لیے سارے حربے استعمال کر ڈالے۔ جھوٹا پروپیگنڈا کیا، الزامات اور شبہات اور اعتراضات کی بوچھاڑ کی، عوام الناس کے دلوں میں طرح طرح کی وسوسہ اندازیاں کیں، ناواقف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سننے سے روکنے کی کوششیں کیں، اسلام قبول کرنے والوں پر نہایت وحشیانہ ظلم وستم ڈھائے، ان کا معاشی اور معاشرتی مقاطعہ کیا، اور ان کو اتنا تنگ کیا کہ ان میں سے بہت سے لوگ دو دفعہ اپنے گھر چھوڑ کر حبش کی طرف ہجرت کر جانے پر مجبور ہوئے اور بالآخر تیسری مرتبہ ان سب کو مدینے کی طرف ہجرت کرنی پڑی۔ لیکن اس شدید اور روز افزوں مزاحمت کے باوجود یہ تحریک پھیلتی چلی گئی۔ مکے میں کوئی خاندان اور کوئی گھر ایسا نہ رہا جس کے کسی نہ کسی فرد نے اسلام قبول نہ کر لیا ہو۔ بیشتر مخالفین اسلام کی دشمنی میں شدت اور تلخی کی وجہ یہی تھی کہ ان کے اپنے بھائی، بھتیجے، بیٹے، داماد، بیٹیاں، بہنیں اور بہنوئی دعوتِ اسلام کے نہ صرف پیرو بلکہ جان نثار حامی ہو گئے تھے اور ان کے اپنے دل وجگر کے ٹکڑے ہی ان سے برسرِ پیکار ہونے کو تیار تھے۔ پھر لطف یہ ہے کہ جو لوگ پرانی جاہلیت سے ٹوٹ ٹوٹ کر اس نوخیز تحریک کی طرف آ رہے تھے وہ پہلے بھی اپنی سوسائٹی کے بہترین لوگ سمجھے جاتے تھے، اور اس تحریک میں شامل ہونے کے بعد وہ اتنے نیک، اتنے راستباز اور اتنے پاکیزہ اخلاق کے انسان بن جاتے تھے کہ دنیا اس دعوت کی برتری محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتی تھی جو ایسے لوگوں کو اپنی طرف کھینچ رہی تھی اور انہیں یہ کچھ بنا رہی تھی۔

اس طویل اور شدید کشمکش کے دوران میں اللہ تعالیٰ حسبِ موقع اور حسبِ ضرورت اپنے نبی پر ایسے پرجوش خطبے نازل کرتا رہا جن میں دریا کی سی روانی، سیلاب کی سی قوت اور تیز وتند آگ کی سی تاثیر تھی۔ ان خطبوں میں ایک طرف اہلِ ایمان کو ان کے ابتدائی فرائض بتائے گئے، ان کے اندر جماعتی شعور پیدا کیا گیا، انہیں تقویٰ اور فضیلتِ اخلاق اور پاکیزگیِ سیرت کی تعلیم دی گئی، ان کو دینِ حق کی تبلیغ کے طریقے بتائے گئے، کامیابی کے وعدوں اور جنت کی بشارتوں سے ان کی ہمت بندھائی گئی، انہیں صبر وثبات اور بلند حوصلگی کے ساتھ اللہ کی راہ میں جدوجہد کرنے پر ابھارا گیا اور فداکاری کا ایسا زبردست جوش اور ولولہ ان میں پیدا کیا گیا کہ وہ ہر مصیبت جھیل جانے اور مخالفت کے بڑے سے بڑے طوفانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ دوسری طرف مخالفین اور راہِ راست سے منہ موڑنے والوں اور غفلت کی نیند سونے والوں کو ان قوموں کے انجام سے ڈرایا گیا جن کی تاریخ سے وہ خود واقف تھے، ان تباہ شدہ بستیوں کے آثار سے عبرت دلائی گئی جن کے کھنڈروں پر سے شب و روز اپنے سفروں میں ان کا گزر ہوتا تھا، توحید اور آخرت کی دلیلیں ان کھلی کھلی نشانیوں سے دی گئیں جو رات دن زمین اور آسمان میں ان کی آنکھوں کے سامنے نمایاں تھیں اور جن کو وہ خود اپنی زندگی میں بھی ہر وقت دیکھتے اور محسوس کرتے تھے، شرک اور دعوائے خود مختاری اور انکارِ آخرت اور تقلیدِ آبائی کی غلطیاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایسے بیّن دلائل سے واضح کی گئیں جو دل کو لگنے اور دماغ میں اُتر جانے والے تھے۔ پھر ان کے ایک ایک شُبہ کو رفع کیا گیا، ایک ایک اعتراض کا معقول جواب دیا گیا، ایک ایک اُلجھن جس میں وہ خود پڑے ہوئے تھے یا دوسروں کو اُلجھانے کی کوشش کرتے تھے، صاف کی گئی، اور ہر طرف سے گھیر کر جاہلیت کو ایسا تنگ پکڑا گیا کہ عقل و خرد کی دُنیا میں اس کے لیے ٹھہرنے کی کوئی جگہ باقی نہ رہی۔ اس کے ساتھ پھر اُن کو خدا کے غضب اور قیامت کی ہولناکیوں اور جہنم کے عذاب کا خوف دلایا گیا، ان کے بُرے اخلاق اور غلط طرزِ زندگی اور جاہلانہ رسوم اور حق دشمنی اور مومن آزاری پر انہیں ملامت کی گئی، اور اخلاق و تمدن کے وہ بڑے بڑے بنیادی اصول ان کے سامنے پیش کیے گئے جن پر ہمیشہ سے خدا کی پسندیدہ صالح تہذیبوں کی تعمیر ہوتی چلی آرہی ہے۔

یہ مرحلہ بجائے خود مختلف منزلوں پر مشتمل تھا جن میں سے ہر منزل میں دعوت زیادہ وسیع ہوتی گئی، جدوجہد اور مزاحمت زیادہ سخت ہوتی گئی، مختلف عقائد اور مختلف طرزِ عمل رکھنے والے گروہوں سے سابقہ پیش آتا گیا، اور اسی کے مطابق اللہ کی طرف سے آنے والے پیغامات میں مضامین کا تنوّع بڑھتا گیا —— یہ ہے قرآن مجید کی مکی سورتوں کا پس منظر۔

دعوت میں حکمت و موعظت کا لحاظ

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (النحل آیت ۱۲۵)

"اے نبی، اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ"

اس میں بتایا گیا ہے کہ دعوت میں دو چیزیں ملحوظ رہنی چاہییں۔ ایک حکمت۔ دوسرے عمدہ نصیحت۔ حکمت کا مطلب یہ ہے کہ بے وقوفوں کی طرح اندھا دھند تبلیغ نہ کی جائے۔ بلکہ دانائی کے ساتھ مخاطب کی ذہنیت، استعداد اور حالات کو سمجھ کر، نیز موقع و محل کو دیکھ کر بات کی جائے۔ ہر طرح کے لوگوں کو ایک ہی لکڑی سے نہ ہانکا جائے۔ جس شخص یا گروہ سے سابقہ پیش آئے، پہلے اُس کے مرض کی تشخیص کی جائے، پھر ایسے دلائل سے اس کا علاج کیا جائے جو اس کے دل و دماغ کی گہرائیوں سے اس کے مرض کی جڑ نکال سکتے ہوں۔

عمدہ نصیحت کے دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ مخاطب کو صرف دلائل ہی سے مطمئن کرنے پر اکتفا نہ کیا جائے، بلکہ اس کے جذبات کو بھی اپیل کیا جائے۔ بُرائیوں اور گمراہیوں کا محض عقلی حیثیت ہی سے ابطال نہ کیا جائے بلکہ انسان کی فطرت میں اُن کے لیے جو پیدائشی نفرت پائی جاتی ہے اُسے بھی ابھارا جائے، اور اُن کے بُرے نتائج کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خوف دلایا جائے۔ ہدایت اور عملِ صالح کی محض صحت اور خوبی ہی عقلاً ثابت نہ کی جائے بلکہ اُن کی طرف رغبت اور شوق بھی پیدا کیا جائے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ نصیحت ایسے طریقے سے کی جائے جس سے دلسوزی اور خیر خواہی ٹپکتی ہو۔ مخاطب یہ نہ سمجھے کہ ناصح اسے حقیر سمجھ رہا ہے اور اپنی بلندی کے احساس سے لذت لے رہا ہے۔ بلکہ اسے یہ محسوس ہو کہ ناصح کے دل میں اس کی اصلاح کے لیے ایک تڑپ موجود ہے اور وہ حقیقت میں اس کی بھلائی چاہتا ہے۔ بحث و گفتگو کی نوعیت مناظرہ بازی اور عقلی کشتی اور ذہنی دنگل کی نہ ہو۔ اس میں کج بحثیاں اور الزام تراشیاں اور چوٹیں اور پھبتیاں نہ ہوں۔ اس کا مقصود حریفِ مقابل کو چپ کر دینا اور اپنی زبان آوری کے ڈنکے بجا دینا نہ ہو۔ بلکہ اس میں شیریں کلامی ہو۔ اعلیٰ درجہ کا شریفانہ اخلاق ہو۔ معقول اور دل لگتے دلائل ہوں۔ مخاطب کے اندر ضد اور بات کی پچ اور ہٹ دھرمی پیدا نہ ہونے دی جائے۔ سیدھے سیدھے طریقے سے اس کو بات سمجھانے کی کوشش کی جائے اور جب محسوس ہو کہ وہ کج بحثی پر اُتر آیا ہے تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ گمراہی میں زیادہ دُور نہ نکل جائے۔

دعوتِ حق کے لیے ٹھنڈا اور سنجیدہ اسلوب

وَ قُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا۔ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ؕ اِنْ یَّشَاْ یَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ یَّشَاْ یُعَذِّبْكُمْ ؕ وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا

(بنی اسرائیل ۱۷: ۵۳-۵۴)

اور اے محمدؐ، میرے بندوں سے کہہ دو کہ زبان سے وہ بات نکالا کریں جو بہترین ہو۔ دراصل یہ شیطان ہے جو انسانوں کے درمیان فساد ڈلوانے کی کوشش کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ تمہارا رب تمہارے حال سے زیادہ واقف ہے، وہ چاہے تو تم پر رحم کرے اور چاہے تو تمہیں عذاب دے دے۔ اور اے نبیؐ ہم نے تم کو لوگوں پر حوالہ دار بنا کر نہیں بھیجا ہے۔

یعنی اہلِ ایمان کفار اور مشرکین سے اور اپنے دین کے مخالفین سے گفتگو اور مباحثے میں تیز کلامی اور مبالغے اور غلو سے کام نہ لیں۔ مخالفین خواہ کیسی ہی ناگوار باتیں کریں مسلمانوں کو بہر حال نہ تو کوئی بات خلافِ حق زبان سے نکالنی چاہیے اور نہ غصے میں آپے سے باہر ہو کر بیہودگی کا جواب بیہودگی سے دینا چاہیے۔ انہیں ٹھنڈے دل سے وہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بات کہنی چاہیے جو جچی تُلی ہو، برحق ہو، اور اُن کی دعوت کے وقار کے مطابق ہو۔

اور جب کبھی بہتیں مخالفین کی بات کا جواب دیتے وقت غُصّے کی آگ اپنے اندر بھڑکتی محسوس ہو، اور طبیعت بے اختیار جوش میں آتی نظر آئے تو فوراً سمجھ لو کہ یہ شیطان ہے جو تمہیں اُکسا رہا ہے تاکہ دعوتِ دین کا کام خراب ہو۔ اُس کی کوشش یہ ہے کہ تم بھی اپنے مخالفین کی طرح اصلاح کا کام چھوڑ کر اُسی جھگڑے اور فساد میں لگ جاؤ جس میں وہ نوعِ انسانی کو مشغول رکھنا چاہتا ہے۔

اور اہلِ ایمان کی زبان پر کبھی ایسے دعوے بھی نہ آنے چاہییں کہ ہم جنتی ہیں اور فلاں شخص یا گروہ دوزخی ہے۔ اس کا فیصلہ اللہ کے اختیار میں ہے۔ خود نبی کا کام بھی صرف دعوت دینا ہے۔ لوگوں کی قسمتیں اُس کے ہاتھ میں نہیں دے دی گئی ہیں کہ وہ کسی کے حق میں رحمت کا اور کسی کے حق میں عذاب کا فیصلہ صادر کر دے۔

داعی کا منصب اور اس کی ذمہ داری

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ
فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ، وَ مَنْ
عَمِيَ فَعَلَيْهَا وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ
بِحَفِيْظٍ (الانعام - ۱۰۴)

"دیکھو، تمہارے رب کی طرف سے بصیرت کی روشنیاں آگئی ہیں۔ اب جو بینائی سے کام لے گا اپنا ہی بھلا کرے گا اور جو اندھا بنے گا خود نقصان اٹھائے گا۔ میں تم پر کوئی پاسبان نہیں ہوں۔"

"میں تم پر پاسبان نہیں ہوں" یعنی میرا کام صرف اتنا ہے کہ اُس روشنی کو تمہارے سامنے پیش کر دوں جو تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے۔ اس کے بعد آنکھیں کھول کر دیکھنا یا نہ دیکھنا تمہارا اپنا کام ہے۔ میرے سپرد یہ خدمت نہیں کی گئی ہے کہ جنہوں نے خود آنکھیں بند کر رکھی ہیں ان کی آنکھیں زبردستی کھولوں اور جو کچھ وہ نہیں دیکھتے وہ انہیں دکھا کر ہی چھوڑوں۔

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ،
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ، وَاَعْرِضْ عَنِ
الْمُشْرِكِيْنَ ، وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ
اَشْرَكُوْا ، وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ

"اے نبیؐ، اُس وحی کی پیروی کیے جاؤ جو تم پر تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ اُس کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے۔ اور ان مشرکین کے پیچھے نہ پڑو۔ اگر اللہ کی مشیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حَفِيْظاً ، وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِم بِوَكِيْلٍ (الانعام ۱۰۶ - ۱۰۷)

یہ ہوتی (کہ یہ لوگ شرک نہ کریں) تو یہ شرک نہ کرتے۔ تم کو ہم نے ان پر پاسبان مقرر نہیں کیا ہے اور نہ تم ان پر حوالہ دار ہو"

مطلب یہ ہے کہ تمہیں داعی اور مبلغ بنایا گیا ہے کوتوال نہیں بنایا گیا۔ تمہیں ان کے پیچھے پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تمہارا کام صرف یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے اس روشنی کو پیش کرو اور اظہارِ حق کا حق ادا کرنے میں اپنی حد تک کوئی کسر اٹھا نہ رکھو۔ اب اگر کوئی اس حق کو قبول نہیں کرتا تو نہ کرے۔ تم کو نہ اس کام پر مامور کیا گیا ہے کہ لوگوں کو حق پرست بنا کر ہی رہو، اور نہ تمہاری ذمہ داری وجواب دہی میں یہ بات شامل ہے کہ تمہارے حلقۂ نبوّت میں کوئی شخص باطل پرست نہ رہ جائے۔ لہٰذا اس فکر میں خواہ مخواہ اپنے ذہن کو پریشان نہ کرو کہ اندھوں کو کس طرح بینا کیا جائے اور جو آنکھیں کھول کر نہیں دیکھنا چاہتے انہیں کیسے دکھایا جائے۔ اگر فی الواقع حکمتِ الٰہی کا تقاضا یہی ہوتا کہ دُنیا میں کوئی شخص باطل پرست نہ رہنے دیا جائے تو اللہ کو یہ کام تم سے لینے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا اس کا ایک ہی تکوینی اشارہ تمام انسانوں کو حق پرست نہ بنا سکتا تھا؟ مگر وہاں تو مقصود سرے سے یہ ہے ہی نہیں۔ مقصود تو یہ ہے کہ انسان کے لیے حق اور باطل کے انتخاب کی آزادی باقی رہے اور پھر حق کی روشنی اس کے سامنے پیش کر کے اس کی آزمائش کی جائے کہ وہ دونوں چیزوں میں سے کس کو انتخاب کرتا ہے۔ پس تمہارے لیے صحیح طرزِ عمل یہ ہے کہ جو روشنی تمہیں دکھا دی گئی ہے اس کے اُجالے میں سیدھی راہ پر خود چلتے رہو، اور دوسروں کو اس کی دعوت دیتے رہو۔ جو لوگ اس دعوت کو قبول کرلیں انہیں سینے سے لگاؤ اور ان کا ساتھ نہ چھوڑو، خواہ وہ دُنیا کی نگاہ میں کیسے ہی حقیر ہوں۔ اور جو اسے قبول نہ کریں ان کے پیچھے نہ پڑو، جس انجامِ بد کی طرف وہ خود جانا چاہتے ہیں اور جانے پر مُصر ہیں اس کی طرف جانے کے لیے انہیں چھوڑ دو۔

تبلیغ کا آسان طریقہ

وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ، فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى (الاعلیٰ ۸ - ۹)

"اور اے نبی، ہم تم کو آسان طریقے کی سہولت دیتے ہیں، پس نصیحت کرو اگر نصیحت نافع ہو"

یعنی اے نبی ہم تبلیغ دین کے معاملہ میں تم کو کسی مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتے کہ تم بہروں کو سُناؤ اور اندھوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو راہ دکھاؤ۔ بلکہ آسان طریقہ تمہارے لیے میسّر کیے دیتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ نصیحت کرو جہاں نہیں یہ محسوس ہو کہ کوئی اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے تیار ہے۔ اب رہی یہ بات کہ کون اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے تیار ہے اور کون نہیں ہے؟ تو ظاہر ہے کہ اس کا پتہ تبلیغِ عام ہی سے چل سکتا ہے۔ اس لیے عام تبلیغ تو جاری رکھنی چاہیے مگر اس سے مقصود یہ ہونا چاہیے کہ اللہ کے بندوں میں سے اُن لوگوں کو تلاش کیا جائے جو اس سے فائدہ اٹھا کر راہِ راست اختیار کرلیں۔ یہی لوگ تمہاری نگاہِ التفات کے مستحق ہیں اور انہی کی تعلیم و تربیت پر تمہیں توجہ صرف کرنی چاہیے۔ ان کو چھوڑ کر ایسے لوگوں کے پیچھے پڑنے کی تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے جن کے متعلق تجربہ سے تمہیں معلوم ہوجائے کہ وہ کوئی نصیحت قبول نہیں کرنا چاہتے۔

تبلیغ اسلام کے نقطۂ نظر سے اصل اہمیت کن لوگوں کی ہے

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ۔ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (الانعام ۔ ۵۲)

"اور اے نبی جو لوگ اپنے رب کو رات دن پکارتے رہتے ہیں اور اس کی خوشنودی کے طلبگار ہیں انہیں اپنے سے دُور نہ پھینکو۔ ان کے حساب میں سے کسی چیز کا بار تم پر نہیں اور تمہارے حساب میں سے کسی چیز کا بار ان پر نہیں۔ پھر بھی تم انہیں دُور پھینکو گے تو ظالم ہوگے۔"

جو لوگ ابتدا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے اُن میں بکثرت ایسے بھی تھے جو غریب یا غلام یا محنت پیشہ تھے۔ قریش کے بڑے بڑے سرداروں اور کھاتے پیتے لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اعتراض تھا کہ آپ کے گرد و پیش ہماری قوم کے ادنیٰ طبقہ کے لوگ جمع ہوگئے ہیں۔ وہ طعنہ دیا کرتے تھے کہ اس شخص کو ساتھی بھی کیسے کیسے "معزز" لوگ ملے ہیں، بلالؓ، عمارؓ، صہیبؓ، خبابؓ۔ بس یہی لوگ اللہ کو ہمارے درمیان ایسے ملے جن کو برگزیدہ کہا جا سکتا تھا! پھر وہ ایمان لانے والوں کی خستہ حالی کا مذاق اُڑانے پر ہی اکتفا نہ کرتے تھے بلکہ ان میں سے جس سے بھی کوئی اخلاقی کمزوری پہلے کبھی ظاہر ہوئی تھی اس پر بھی حرف گیری کرتے اور کہتے تھے کہ فلاں جو کل تک یہ تھا اور فلاں جس نے یہ کیا تھا آج وہ بھی اس "برگزیدہ گروہ" میں شامل ہے۔

انہی باتوں کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ طالبِ حق بن کر تمہارے پاس آتے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انہیں ان بڑے بڑے لوگوں کی خاطر اپنے سے دُور نہ پھینکو۔ اگر کوئی پہلے کسی غلطی کا مرتکب ہوا بھی تھا تو اس کی ذمہ داری تم پر تو عائد نہیں ہوتی۔

حضرتِ ابنِ اُمِ مکتوم رضؓ کا واقعہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں مکۂ معظمہ کے چند بڑے سردار بیٹھے ہوئے تھے اور حضورؐ ان کو اسلام قبول کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش فرما رہے تھے[1]۔ اتنے میں ابنِ اُمِ مکتوم نامی ایک نابینا حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ سے اسلام کے متعلق کچھ پوچھنا چاہا۔ حضورؐ کو ان کی یہ مداخلت ناگوار ہوئی اور آپؐ نے ان سے بے رُخی برتی۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سورۂ عبس نازل ہوئی۔

عَبَسَ وَ تَوَلّٰٓی اَنْ جَآءَہُ الْاَعْمٰی ”تُرش رو ہوا اور بے رُخی برتی اس بات پر کہ وہ اندھا اُس کے پاس آگیا“ (آیات ۱-۲)

بظاہر کلام کے آغاز کا اندازِ بیان دیکھ کر آدمی یہ محسوس کرتا ہے کہ نابینا سے بے رُخی برتنے اور بڑے بڑے سرداروں کی طرف توجہ کرنے کی بنا پر اس سورہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب فرمایا گیا ہے۔ لیکن پوری سورت پر مجموعی حیثیت سے غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دراصل عتاب کفارِ قریش کے اُن سرداروں پر کیا گیا ہے جو اپنے تکبّر اور ہٹ دھرمی اور صداقت سے بے نیازی کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغِ حق کو حقارت کے ساتھ رد کر رہے تھے، اور حضورؐ کو تبلیغ کا صحیح طریقہ بتانے کے ساتھ ساتھ اُس طریقے کی غلطی سمجھائی گئی ہے جو اپنی رسالت کے کام کی ابتداء میں آپ اختیار فرما رہے تھے۔ آپ کا ایک نابینا سے بے رُخی برتنا اور سردارانِ قریش کی طرف توجہ کرنا کچھ اس بنا پر نہ تھا کہ آپ بڑے لوگوں کو معزّز اور ایک بیچارے نابینا کو حقیر سمجھتے تھے، اور معاذ اللہ یہ کوئی کج خُلقی آپؐ کے اندر پائی جاتی تھی جس پر اللہ تعالیٰ نے گرفت فرمائی۔ بلکہ معاملہ کی اصل نوعیت یہ ہے کہ ایک داعی جب اپنی دعوت کا آغاز کرتے لگتا ہے تو فطری طور پر اس کا رُجحان اس طرف ہوتا ہے کہ قوم

---

[1] حضورؐ کی مجلس میں جو لوگ اس وقت بیٹھے تھے، مختلف روایات میں، ان کے ناموں کی صراحت کی گئی ہے۔ اس فہرست میں ہمیں عُتبہؔ، شیبہؔ، ابوجہلؔ، اُمیّہؔ بن خلف، اُبیؔ بن خلف جیسے بدترین دشمنانِ اسلام کے نام ملتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اُس زمانے میں پیش آیا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ ان لوگوں کا میل جول ابھی باقی تھا اور کشمکش اتنی نہ بڑھی تھی کہ آپ کے ہاں اُن کی آمد و رفت اور آپؐ کے ساتھ ان کی ملاقاتوں کا سلسلہ بند ہو گیا ہو۔ (مؤلف)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے با اثر لوگ اس کی دعوت قبول کر لیں تاکہ کام آسان ہو جائے، ورنہ عام بے اثر، معذور یا کمزور لوگوں میں دعوت پھیل بھی جائے تو اس سے کوئی بڑا فرق نہیں پڑ سکتا۔ قریب قریب یہی طرزِ عمل دعوت کی ابتدا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اختیار فرمایا تھا جس کا محرک سراسر اخلاص اور دعوتِ حق کو فروغ دینے کا جذبہ تھا نہ کہ بڑے لوگوں کی تعظیم اور چھوٹے لوگوں کی تحقیر کا تخیل۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو سمجھایا کہ اسلامی دعوت کا صحیح طریقہ یہ نہیں ہے، بلکہ اس دعوت کے نقطۂ نظر سے ہر وہ انسان اہمیت رکھتا ہے جو طالبِ حق ہو، چاہے وہ کیسا ہی کمزور، بے اثر، یا معذور ہو، اور ہر وہ شخص غیر اہم ہے جو حق سے بے نیازی برتے، خواہ وہ معاشرے میں کتنا ہی بڑا مقام رکھتا ہو۔ اس لیے آپ اسلام کی تعلیمات تو ہانکے پکارے سب کو سنائیں، مگر آپ کی توجہ کے اصل مستحق وہ لوگ ہیں جن میں قبولِ حق کی آمادگی پائی جاتی ہو، اور آپ کی بلند پایہ دعوت کے مقام سے یہ بات فروتر ہے کہ آپ اسے ان مغرور لوگوں کے آگے پیش کریں جو اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں یہ سمجھتے ہوں کہ ان کو آپ کی نہیں بلکہ آپ کو ان کی ضرورت ہے۔

وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكَّىٰ أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنفَعَهُ الذِّكْرَىٰ۔ أَمَّا مَنِ اسْتَغْنَىٰ فَأَنتَ لَهُ تَصَدَّىٰ۔ وَمَا عَلَيْكَ أَلَّا يَزَّكَّىٰ۔ وَأَمَّا مَن جَاءَكَ يَسْعَىٰ وَهُوَ يَخْشَىٰ فَأَنتَ عَنْهُ تَلَهَّىٰ۔ كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ فَمَن شَاءَ ذَكَرَهُ

(آیات ۳ تا ۱۲)

"اے نبی، تمہیں کیا خبر، شاید کہ وہ سدھر جائے یا نصیحت پر دھیان دے اور نصیحت کرنا اس کے لیے نافع ہو؟ جو شخص بے پروائی برتتا ہے اس کی طرف تو تم توجہ کرتے ہو، حالانکہ وہ نہ سدھرے تو تم پر اس کی کیا ذمہ داری ہے؟ اور جو خود تمہارے پاس دوڑا آتا ہے اور ڈر رہا ہوتا ہے اس سے تم بے رخی برتتے ہو۔ ہرگز نہیں۔ یہ تو ایک نصیحت ہے جس کا جی چاہے، اسے قبول کرے"۔

یہی وہ اصل نکتہ ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغِ دین کے معاملہ میں اس موقع پر نظر انداز کر دیا تھا اور اسی کو سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے ابن ام مکتومؓ کے ساتھ آپ کے طرزِ عمل پر گرفت فرمائی، پھر آپ کو بتایا کہ داعیِ حق کی نگاہ میں حقیقی اہمیت کس چیز کی ہونی چاہیے اور کس کی نہ ہونی چاہیے۔ ایک وہ شخص ہے جس کی ظاہری حالت صاف بتا رہی ہے کہ وہ طالبِ حق ہے، اس بات سے ڈر رہا ہے کہ کہیں وہ باطل کی پیروی کر کے خدا کے غضب میں مبتلا نہ ہو جائے۔ اس لیے وہ راہِ راست کا علم حاصل کرنے کی خاطر خود چل کر آتا ہے۔ دوسرا وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شخص ہے جس کا رویہ صریحاً یہ ظاہر کر رہا ہے کہ اس میں حق کی کوئی طلب نہیں پائی جاتی، بلکہ وہ اپنے آپ کو اس سے بے نیاز سمجھتا ہے کہ اُسے راہِ راست بتائی جائے۔ ان دونوں قسم کے آدمیوں کے درمیان دیکھنے کی چیز یہ نہیں ہے کہ کون ایمان لے آئے تو دین کے لیے بہت مفید ہو سکتا ہے اور کس کا ایمان لانا دین کے فروغ میں کچھ زیادہ مفید نہیں ہو سکتا، بلکہ دیکھنا یہ چاہیے کہ کون ہدایت کو قبول کر کے سُدھرنے کے لیے تیار ہے اور کون اِس متاعِ گراں مایہ کا سرے سے قدر دان ہی نہیں ہے۔ پہلی قسم کا آدمی خواہ اندھا ہو، لنگڑا ہو، لُولا ہو، فقیر بے نوا ہو، بظاہر دین کے فروغ میں کوئی بڑی خدمت انجام دینے کے قابل نظر نہ آتا ہو، بہر حال داعیِ حق کے لیے وہی قیمتی آدمی ہے، اسی کی طرف اسے توجہ کرنی چاہیے، کیونکہ اس دعوت کا اصل مقصد بندگانِ خدا کی اصلاح ہے، اور اِس شخص کا حال یہ بتا رہا ہے کہ اُسے نصیحت کی جائے گی تو وہ اصلاح قبول کرے گا۔ رہا دوسری قسم کا آدمی تو خواہ وہ معاشرے میں کتنا ہی با اثر ہو، اس کے پیچھے پڑنے کی داعیِ حق کو کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی رَوِش علانیہ یہ بتا رہی ہے کہ وہ سُدھرنا نہیں چاہتا، اس لیے اس کی اصلاح کی کوشش میں وقت صرف کرنا وقت کا ضیاع ہے۔ وہ اگر نہ سُدھرنا چاہے تو نہ سُدھرے، نقصان اس کا اپنا ہو گا، داعیِ حق پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ جن نابینا کا یہاں ذکر کیا گیا ہے ان سے مراد، مشہور صحابی حضرت ابن اُمِّ مکتومؓ ہیں۔ حافظ ابن عبد البرؒ نے الاستیعاب میں اور حافظ ابن حجرؒ نے الاصابہ میں بیان کیا ہے کہ یہ اُمّ المومنین حضرت خدیجہؓ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ ان کی ماں اُمِّ مکتوم اور حضرت خدیجہؓ کے والد خُوَیلد آپس میں بہن بھائی تھے۔ حضورؐ کے ساتھ ان کا یہ رشتہ معلوم ہو جانے کے بعد اِس شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ آپ نے اُن کو غریب یا کم حیثیت آدمی سمجھ کر ان سے بے رُخی برتی اور بڑے آدمیوں کی طرف توجہ فرمائی تھی، کیونکہ یہ حضورؐ کے اپنے برادرِ نسبتی تھے، خاندانی آدمی تھے، کوئی گرے پڑے آدمی نہ تھے۔ اصل وجہ جس کی بنا پر آپؐ نے ان کے ساتھ یہ رویّہ اختیار کیا، لفظ اَعمیٰ (نابینا) سے معلوم ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کی بے اعتنائی کے سبب کی حیثیت سے خود بیان فرما دیا ہے۔ یعنی حضورؐ کا خیال یہ تھا کہ میں اس وقت جن لوگوں کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کر رہا ہوں ان میں سے کوئی ایک آدمی بھی ہدایت پا لے تو اسلام کی تقویت کا بڑا ذریعہ بن سکتا ہے۔ بخلاف اس کے ابنِ مکتوم ایک نابینا آدمی ہیں، اپنی معذوری کے باعث یہ اسلام کے لیے اُس قدر مفید ثابت نہیں ہو سکتے جس قدر ان سرداروں میں سے کوئی مسلمان ہو کر مفید ہو سکتا ہے اس لیے ان کو اس موقع پر گفتگو میں مداخلت نہیں کرنی چاہیے، یہ جو کچھ سمجھنا یا معلوم کرنا چاہتے ہیں اُسے بعد میں کسی وقت بھی دریافت کر سکتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکمتِ تبلیغ

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۔

اور اہلِ کتاب سے بحث نہ کرو مگر عمدہ طریقہ سے

(عنکبوت آیت ۴۶)

یعنی مباحثہ معقول دلائل کے ساتھ، مہذب و شائستہ زبان میں، اور افہام و تفہیم کی سپرٹ میں ہونا چاہیے تاکہ جس شخص سے بحث کی جارہی ہو اس کے خیالات کی اصلاح ہو سکے۔ مُبلغ کو فکر اس بات کی ہونی چاہیے کہ وہ مخاطب کے دل کا دروازہ کھول کر حق بات اس میں اتار دے اور اسے راہِ راست پر لائے۔ اس کو ایک پہلوان کی طرح نہیں لڑنا چاہیے جس کا مقصد اپنے مدِ مقابل کو نیچا دکھانا ہوتا ہے، بلکہ اس کو ایک حکیم کی طرح چارہ گری کرنی چاہیے جو مریض کا علاج کرتے ہوئے ہر وقت یہ بات ملحوظ رکھتا ہے کہ اس کی اپنی کسی غلطی سے مریض کا مرض اور زیادہ بڑھ نہ جائے، اور اس امر کی پوری کوشش کرتا ہے کہ کم سے کم تکلیف کے ساتھ مریض شفایاب ہو جائے۔ یہ ہدایت اس مقام پر تو موقع کی مناسبت سے اہلِ کتاب کے ساتھ مباحثہ کرنے کے معاملہ میں دی گئی ہے، مگر یہ اہلِ کتاب کے لیے مخصوص نہیں ہے، بلکہ تبلیغِ دین کے باب میں ایک عام ہدایت ہے جو قرآن مجید میں جگہ جگہ دی گئی ہے مثلاً

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۔ (النحل۔ آیت ۱۲۵)

دعوت دو اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ پند و نصیحت کے ساتھ اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقہ پر جو بہترین ہو۔

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۔

(حٰم السجدہ۔ آیت ۳۴)

بھلائی اور برائی یکساں نہیں (مثلاً مخالفین کے حملوں کی) مدافعت ایسے طریقہ سے کرو جو بہترین ہو، تم دیکھو گے کہ وہی شخص جس کے اور تمہارے درمیان عداوت تھی، وہ ایسا ہو گیا جیسے گرم جوش دوست ہے۔

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ۔

(المومنون۔ آیت ۹۶)

تم بدی کو اچھے ہی طریقہ سے دفع کرو۔ ہمیں معلوم ہے جو باتیں وہ (تمہارے خلاف) بناتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۔ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۔ (الاعراف ۔ آیات ۱۹۹–۲۰۰)

درگزر کی روش اختیار کرو، بھلائی کی تلقین کرو، اور جاہلوں کے منہ نہ لگو۔ اور اگر زنزکی بر تزکی جواب دینے کے لیے) شیطان تمہیں اُکسائے تو اللہ کی پناہ مانگو۔

دعوتِ حق کے لیے ضروری اوصاف

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۔ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۔ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ، وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ۔

(الاعراف ۔ آیات ۱۹۹ تا ۲۰۲)

اے نبیؐ، نرمی و درگزر کا طریقہ اختیار کرو، معروف کی تلقین کیے جاؤ، اور جاہلوں سے نہ اُلجھو۔ اگر کبھی شیطان تمہیں اُکسائے تو اللہ کی پناہ مانگو، وہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ حقیقت میں جو لوگ متقی ہیں ان کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ کبھی شیطان کے اثر سے کوئی بُرا خیال اگر انہیں چھو بھی جاتا ہے تو وہ فوراً چوکنے ہو جاتے ہیں اور پھر انہیں صاف نظر آنے لگتا ہے کہ ان کے لیے صحیح طریقِ کار کیا ہے۔ رہے ان کے (یعنی شیاطین کے) بھائی بند، تو وہ انہیں ان کی کج روی میں کھینچے لیے جاتے ہیں اور انہیں بھٹکانے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھتے۔

ان آیات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت و تبلیغ اور ہدایت و اصلاح کی حکمت کے چند اہم نکات بتائے گئے ہیں اور مقصود صرف حضورؐ ہی کو تعلیم دینا نہیں ہے بلکہ حضورؐ کے ذریعہ سے اُن سب لوگوں کو یہی حکمت سکھانا ہے جو حضورؐ کے قائم مقام بن کر دُنیا کو سیدھی راہ دکھانے کے لیے اُٹھیں۔ ان نکات کو سلسلہ وار دیکھنا چاہیے:

(۱) داعیِ حق کے لیے جو صفات سب سے زیادہ ضروری ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اسے نرم خو، متحمل اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عالی ظرف ہونا چاہیے۔ اس کو اپنے ساتھیوں کے لیے شفیق، عامۃ الناس کے لیے رحیم اور اپنے مخالفوں کے لیے حلیم ہونا چاہیے۔ اس کو اپنے رفقاء کی کمزوریوں کو بھی برداشت کرنا چاہیے اور اپنے مخالفین کی سختیوں کو بھی۔ اُسے شدید سے شدید اشتعال انگیز مواقع پر بھی اپنے مزاج کو ٹھنڈا رکھنا چاہیے۔ نہایت ناگوار باتوں کو بھی عالی ظرفی کے ساتھ ٹال دینا چاہیے۔ مخالفوں کی طرف سے کیسی ہی سخت کلامی، بُہتان تراشی، ایذا رسانی، اور شریرانہ مزاحمت کا اظہار ہو، اُس کو درگزر ہی سے کام لینا چاہیے۔ سخت گیری، درشت خوئی، تلخ گفتاری اور منتقمانہ اشتعالِ طبع اس کام کے لیے زہر کا حکم رکھتا ہے اور اس سے کام بگڑتا ہے، بنتا نہیں ہے۔ اسی چیز کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمایا ہے کہ میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ "غضب اور رضا، دونوں حالتوں میں انصاف کی بات کہوں، جو مجھ سے کٹے میں اس سے جُڑوں، جو مجھے میرے حق سے محروم کرے میں اسے اس کا حق دوں، جو میرے ساتھ ظلم کرے میں اس کو معاف کردوں"۔ اور اسی چیز کی ہدایت آپ ان لوگوں کو دیتے تھے جنہیں آپؐ دین کے کام پر اپنی طرف سے بھیجتے تھے کہ بَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا وَيَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا، یعنی "جہاں تم جاؤ وہاں تمہاری آمد لوگوں کے لیے مژدہ جانفزا ہو نہ کہ باعثِ نفرت، اور لوگوں کے لیے تم سہولت کے موجب بنو نہ کہ تنگی و سختی کے"، اور اسی چیز کی تعریف اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فرمائی ہے کہ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا انْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ۔ یعنی "یہ اللہ کی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے نرم ہو ورنہ اگر تم درشت خُو اور سنگدل ہوتے تو یہ سب لوگ تمہارے گرد و پیش سے چھٹ جاتے"۔ (آل عمران، ۱۵۹)

(۲)، دعوتِ حق کی کامیابی کا گُر یہ ہے کہ آدمی فلسفہ طرازی اور دقیقہ سنجی کے بجائے لوگوں کو معروف یعنی اُن سیدھی اور صاف بھلائیوں کی تلقین کرے جنہیں بالعموم سارے ہی انسان بھلا جانتے ہیں یا جن کی بھلائی کو سمجھنے کے لیے وہ عقلِ عام (COMMON SENSE) کافی ہوتی ہے جو ہر انسان کو حاصل ہے۔ اس طرح داعیِ حق کی اپیل عوام و خاص سب کو متاثر کرتی ہے اور ہر سامع کے کان سے دل تک پہنچنے کی راہ آپ نکال لیتی ہے۔ ایسی معروف دعوت کے خلاف جو لوگ شورش برپا کرتے ہیں وہ خود اپنی ناکامی اور اس دعوت کی کامیابی کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ کیونکہ عام انسان، خواہ وہ کتنے ہی تعصبات میں مبتلا ہوں، جب یہ دیکھتے ہیں کہ ایک طرف ایک شریف النفس اور بلند اخلاق انسان ہے جو سیدھی سیدھی بھلائیوں کی دعوت دے رہا ہے اور دوسری طرف بہت سے لوگ اس کی مخالفت میں ہر قسم کی اخلاق و انسانیت سے گری ہوئی تدبیریں استعمال کر رہے ہیں تو رفتہ رفتہ ان کے دل خود بخود مخالفینِ حق سے پھرتے اور داعیِ حق کی طرف متوجہ ہوتے چلے جاتے ہیں، یہاں تک کہ آخر کار میدانِ مقابلہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں صرف وہ لوگ رہ جاتے ہیں جن کے ذاتی مفاد نظامِ باطل کے قیام ہی سے وابستہ ہوں، یا پھر جن کے دلوں میں تقلیدِ اسلاف اور جاہلانہ تعصبات نے کسی روشنی کے قبول کرنے کی صلاحیت باقی ہی نہ چھوڑی ہو۔ یہی وہ حکمت تھی جس کی بدولت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب میں کامیابی حاصل ہوئی اور پھر آپ کے بعد تھوڑی ہی مدت میں اسلام کا سیلاب قریب کے ملکوں پر اس طرح پھیل گیا کہ کہیں ۱۰۰ فی صدی اور کہیں ۸۰، اور ۹۰ فی صدی باشندے مسلمان ہو گئے۔

(۳) اس دعوت کے کام میں یہ بات جتنی ضروری ہے کہ طالبینِ خیر کو معروف کی تلقین کی جائے اتنی ہی یہ بات بھی ضروری ہے کہ جاہلوں سے نہ اُلجھا جائے خواہ وہ اُلجھنے کی کتنی ہی کوشش کریں۔ داعی کو اس معاملہ میں سخت محتاط ہونا چاہیے کہ اس کا خطاب صرف ان لوگوں سے رہے جو معقولیت کے ساتھ بات کو سمجھنے کے لیے تیار ہوں۔ اور جب کوئی شخص جہالت پر اُتر آئے اور حجت بازی، جھگڑالو پن اور طعن و تشنیع شروع کر دے تو داعی کو اس کا حریف بننے سے انکار کر دینا چاہیے۔ اس لیے کہ اس جھگڑے میں اُلجھنے کا حاصل کچھ نہیں ہے اور نقصان یہ ہے کہ داعی کی جس قوت کو اشاعتِ دعوت اور اصلاحِ نفوس میں خرچ ہونا چاہیے وہ اس فضول کام میں ضائع ہو جاتی ہے۔

(۴) اوپر نمبر ۲ میں جو ہدایت دی گئی ہے اسی کے سلسلہ میں مزید ہدایت یہ ہے کہ جب کبھی داعیِ حق مخالفین کے ظلم اور ان کی شرارتوں اور ان کے جاہلانہ اعتراضات و الزامات پر اپنی طبیعت میں اشتعال محسوس کرے تو اسے فوراً سمجھ لینا چاہیے کہ یہ نزغِ شیطانی (یعنی شیطان کی اُکساہٹ) ہے اور اُسی وقت اُسے خدا سے پناہ مانگنی چاہیے کہ اپنے بندے کو اس جوش میں بہ نکلنے سے بچائے اور ایسا بے قابو نہ ہونے دے کہ اس سے دعوتِ حق کو نقصان پہنچانے والی کوئی حرکت سرزد ہو جائے۔ دعوتِ حق کا کام بہرحال ٹھنڈے دل سے ہی ہو سکتا ہے اور وہی قدم صحیح اُٹھ سکتا ہے جو جذبات سے مغلوب ہو کر نہیں بلکہ موقع و محل کو دیکھ کر، خوب سوچ سمجھ کر اُٹھایا جائے۔ لیکن شیطان، جو اس کام کو فروغ پاتے ہوئے کبھی نہیں دیکھ سکتا، ہمیشہ اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ اپنے بھائی بندوں سے داعیِ حق پر طرح طرح کے حملے کرائے اور پھر ہر حملے پر داعیِ حق کو اُکسائے کہ اس حملے کا جواب تو ضرور ہونا چاہیے۔ یہ اپیل جو شیطان داعی کے نفس سے کرتا ہے، اکثر بڑی بڑی پُرفریب تاویلوں اور مذہبی اصطلاحوں کے غلاف میں لپٹی ہوئی ہوتی ہے۔ لیکن اس کی تہ میں بجز نفسانیت کے اور کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اسی لیے آخری دو آیتوں میں فرمایا کہ جو لوگ متقی (یعنی خدا ترس اور بدی سے بچنے کے خواہشمند) ہیں وہ تو اپنے نفس میں کسی شیطانی تحریک کا اثر اور کسی بُرے خیال کی کھٹک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محسوس کرتے ہی فوراً چوکنے ہو جاتے ہیں اور پھر انہیں صاف نظر آجاتا ہے کہ اس موقع پر دعوتِ دین کا مفاد کس طرزِ عمل کے اختیار کرنے میں ہے اور حق پرستی کا تقاضا کیا ہے۔ رہے وہ لوگ جن کے کام میں نفسانیت کی لاگ لگی ہوئی ہے اور اس وجہ سے جن کا شیاطین کے ساتھ بھائی چارے کا تعلق ہے، تو وہ شیطانی تحریک کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتے اور اس سے مغلوب ہو کر غلط راہ پر چل نکلتے ہیں۔ پھر جس جس وادی میں شیطان چاہتا ہے انہیں لیے پھرتا ہے اور کہیں جا کر ان کے قدم نہیں رُکتے۔ مخالف کی ہر گالی کے جواب میں ان کے پاس ایک گالی اور ہر چال کے جواب میں اس سے بڑھ کر ایک چال موجود ہوتی ہے۔

اس ارشاد کا ایک عمومی محل بھی ہے۔ اور وہ یہ کہ اہلِ تقویٰ کا طریقہ بالعموم اپنی زندگی میں غیر مُتّقی لوگوں سے مختلف ہوتا ہے۔ جو لوگ حقیقت میں خُدا سے ڈرنے والے ہیں اور دل سے چاہتے ہیں کہ بُرائی سے بچیں اُن کا حال یہ ہوتا ہے کہ بُرے خیال کا ایک ذرا سا غبار بھی ان کے دِل کو چھُو جاتا ہے تو انہیں ویسی ہی کھٹک محسوس ہونے لگتی ہے جیسی کھٹک انگلی میں پھانس چبھ جانے یا آنکھ میں کسی ذرّے کے گر جانے سے محسوس ہوتی ہے۔ چونکہ وہ بُرے خیالات، بُری خواہشات اور بُری نیتوں کے خوگر نہیں ہوتے، اس وجہ سے یہ چیزیں ان کے لیے اُسی طرح خلافِ مزاج ہوتی ہیں جس طرح انگلی کے لیے پھانس، یا آنکھ کے لیے ذرّہ یا ایک نفیس طبع اور صفائی پسند آدمی کے لیے کپڑوں پر سیاہی کا ایک داغ، یا گندگی کی ایک چھینٹ۔ پھر جب یہ کھٹک انہیں محسوس ہو جاتی ہے تو ان کی آنکھیں کھُل جاتی ہیں اور ان کا ضمیر بیدار ہو کر اِس غبارِ شر کو اپنے اوپر سے جھاڑ دینے میں لگ جاتا ہے۔ بخلاف اس کے جو لوگ نہ خُدا سے ڈرتے ہیں، نہ بدی سے بچنا چاہتے ہیں، اور جن کی شیطان سے لاگ لگی ہوئی ہوتی ہے ان کے نفس میں بُرے خیالات، بُرے ارادے، بُرے مقاصد پکتے رہتے ہیں اور وہ ان گندی چیزوں سے کوئی اُپراہٹ اپنے اندر محسوس نہیں کرتے، بالکل اُسی طرح جیسے کسی دیگچی میں سؤر کا گوشت پک رہا ہو، اور وہ بے خبر ہو کہ اس کے اندر کیا پک رہا ہے، یا جیسے کسی بھنگی کا جسم اور اس کے کپڑے غلاظت میں لتھڑے ہوئے ہوں اور اسے کچھ احساس نہ ہو کہ وہ کن چیزوں میں آلودہ ہے۔

(باقی)

© rasailojaraid.com